اے کہ از خمخانہء فطرت بجامم ریختی
ز آتشِ صہبائے من بگداز مینائے مرا
عشق را سرمایہ ساز از گرمیء فریادِ من
شعلہء بیباک گرداں خاکِ سینائے مرا
چوں بمیرم از غبارِ من چراغِ لالہ ساز
تازہ کن داغِ مرا سوزاں بہ صحرائے مرا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بادہ کشانِ خمکدۂ قرآن کے نام

ساقی! قدحے کہ دورِ گلزار گذشت
مطرب! غزلے کہ وقتِ گفتار گذشت
اے ہم نفس! از بہرِ دلِ زار بگو
افسانہ آں شبے کہ با یار گذشت

☆☆☆☆☆☆☆☆

یارانِ میکدہ! سلام و رحمت۔

یہ ساعت کس قدر سعید' اور یہ لمحۂ زندگی کیسا درخورِ ہزار تبریک ہے کہ آپ احباب' ایک سال کی طویل مدت کے بعد اپنے ولولۂ شوق کو دلوں میں لئے' پھر یک جا جمع ہوئے ہیں کہ کچھ وقت کے لئے کشاکشِ روزگار سے الگ ہٹ کر بیٹھیں اور سوچیں کہ خدائے لم یزل کی وہ شمعِ جہاں تاب' جسے صدیوں سے پیرانِ حرم کی مقدس آستینوں نے چراغِ تہِ داماں بنا رکھا ہے' کس طرح پھر سے وجہِ نورانیتِ عالم بنے۔ کس قدر حسین ہیں یہ آرزوئیں' جو آپ کو اتنے دور دراز سفر کے بعد' کشاں کشاں یہاں لے آئی ہیں اور کیسا عظیم ہے وہ مقصد جس کے لئے آپ نے یہ صعوبات برداشت کی ہیں۔ میں' جب آپ احباب کے اس' جذب و کیف میں ڈوبے ہوئے اجتماعِ سادہ و رنگین پر نظر ڈالتا ہوں تو میری نگہِ شوق بے تابانہ پکار اٹھتی ہے کہ

نور ہی نور ہیں در و دیوار!
کون سا چاند گھر میں اترا ہے!

برادرانِ عزیز! یہ جو ہم نے وقت کے کارواں سے فرصت کے چند لحات چھین لئے ہیں، تو آؤ ان میں

رسم مہر و وفا کی بات کریں
پھر کسی دل ربا کی بات کریں
سخت بیگانۂ حیات ہے دل
آؤ اس آشنا کی بات کریں
گیسوؤں کے فسانے دہرائیں
اپنے بختِ رسا کی بات کریں

کس قدر قابلِ صد رشک ہیں زندگی کے وہ لحات جو ''رسمِ مہر و وفا'' کی باتوں میں گزریں۔

عزیزانِ من! علامہ اقبالؒ نے کہا ہے کہ

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز
چراغِ مصطفویؐ سے شرارِ بولہبی

ازلی کشمکش

سوال یہ ہے کہ چراغِ مصطفوی کیا ہے جس کے ساتھ، ازل سے تا امروز، شرارِ بولہبی ستیزہ کار چلا آ رہا ہے۔ یہ کون سی کشمکش ہے جس کا سلسلہء دراز نوعِ انسان کی پوری تاریخ کو محیط ہے۔ اس تماشہ گاہ میں ہزاروں قومیں آئیں اور چلی گئیں۔ سینکڑوں نظام ابھرے اور بیٹھ گئے۔ متعدد تہذیبوں کے چراغ جلے اور بجھ گئے۔ لیکن وہ کون سے ایسے حریفانِ ازلی ہیں جن کی باہمی آویزش پر ان تمام تغیرات کا کوئی اثر نہ ہوا، اور ان کی ستیزہ کاری کا سلسلہ، ہر دور اور ہر مقام میں بدستور جاری رہا اور اب تک جاری ہے۔ آپ انسانی تاریخ پر جس قدر بھی غور کریں گے ایک ہی نتیجہ پر پہنچیں گے کہ وہ کشمکش پیہم۔ وہ ستیز مسلسل۔ وہ آویزش متواتر۔

دین اور مذہب کی جنگ

ہے۔ جس دن سے شعور انسانی نے آنکھ کھولی، اس جنگ کا سلسلہ شروع ہوا اور یہ سلسلہ اب

تک جاری ہے۔ اس میں شبہ نہیں کہ ملوکیت ۔ سرمایہ پرستی وغیرہ بھی انسانیت کے کم دشمن نہیں' لیکن اگر آپ ذرا بہ نظر تعمق دیکھیں گے تو یہ حقیقت سامنے آ جائے گی کہ یہ' اور اس قسم کے دیگر مستبدانہ تصورات اور نظام' مذہب ہی کے سہارے قائم رہے ہیں اور جب دین نے مذہب کو مٹایا تو پھر اس کے ساتھ یہ خود بخود مٹ گئے ۔ اس لئے اصل کش مکش دین اور مذہب ہی کی ہے۔

مذہب کی چیرہ دستیاں

مذہب کا تصور' مفاد پرست انسانوں کے ذہن کا تراشیدہ ہے جن کا مقصد یہ تھا کہ وہ دوسرے انسانوں کی کمائی پر عیش کی زندگی بسر کریں اور یہ کچھ اس انداز سے کریں کہ یہ اُنہیں لوٹیں اور وہ اِنہیں دعائیں دیں ۔ یہ اُنہیں دھتکاریں اور وہ ان کے پاؤں پڑیں ۔ یہ اُنہیں بلا جرم وقصور گالیاں دیں اور وہ گڑ گڑا کر معافیاں مانگیں ۔ یہ بھری محفل میں اُنہیں بے عزت کریں لیکن وہ اپنے کمرے کی تنہائیوں میں' اپنے دل کے اندر بھی ان کی شان میں گستاخی کا خیال تک نہ لاسکیں ۔ یہ اُن سے ہر قسم کی خدمت اور بیگار لینا اپنا حق سمجھیں اور وہ ان کے ہر حکم کی تعمیل' اپنی زندگی کا مقدس ترین فریضہ قرار دیں ۔ ان کے ادنیٰ سے اشارے پر اپنے سینے میں خنجر گھونپ لیں ۔ اپنے بچوں کے گلے پر چھری پھیر دیں ۔ آگ میں کود پڑیں ۔ پہاڑ کی چوٹی سے سر کے بل نیچے آ گریں ۔ تختہ ء دار پر ہنسی خوشی چڑھ جائیں ۔ ان کی رتھوں کے آہنی پہیوں کے نیچے آ کر کچلے جائیں ۔ یہ اپنے جس حریف کے خلاف چاہیں' اُنہیں کھڑا کر دیں' اور وہ اتنا جانے اور پوچھے بغیر کہ ہمیں ان کے خلاف کیوں لڑایا جا رہا ہے' ان کی جانیں لیتے اور اپنی جانیں دیتے جائیں ۔ وہ خود بھوکے رہیں اور ان کے خادموں کو نعمتیں کھلائیں ۔ اپنے بچوں کو فاقے سے رکھیں اور ان کے کتوں کو دودھ پلائیں ۔ خود ننگے رہیں اور ان کے پتھروں کو حریر و اطلس کے لبادے پہنائیں ۔ آپ خس وخاشاک کی جھونپڑیوں میں زندگی کے دن کاٹیں اور ان کی ہڈیوں کی راکھ پر سنگِ مرمر کی فلک بوس عمارت استوار کریں ۔ زندگی میں تو ایک طرف' ان کی موت کے بعد بھی ان کے دل پر ان کا خوف اس طرح طاری رہے کہ وہ ان کے تصور سے ڈرتے کانپتے' لرزتے' سہے رہیں ۔ غرضیکہ یہ ہر وقت ان بے چاروں کے اعصاب پر چھلاوے

کی طرح سوار اور ان کے ذہن پر بھوت بن کر چھائے رہیں اور وہ ان کے پنجہ کی آہنی گرفت سے کبھی نکلنے نہ پائیں۔

مذہب کی گرفت

یہ ہیں اس مذہب کے چند گوشے جسے مفاد پرست انسانوں کی عقل فریب کار نے تراشا اور جسے کمزور اور ناتوانوں کا خون چوسنے کے لئے ایک مؤثر ترین حربہ کے طور پر استعمال کیا گیا۔ اس میں شبہ نہیں کہ ملوکیت اور سرمایہ داری کا استبداد بھی کچھ کم استخواں شکن اور خون آشام واقع نہیں ہوا۔ لیکن انہیں اپنے غلبہ و تسلط کی زنجیریں مستحکم رکھنے کے لئے سینکڑوں قسم کی قوتیں فراہم اور ہزار قسم کے حربے استعمال کرنے پڑتے ہیں اور پھر بھی انہیں ہر وقت دھڑکا لگا رہتا ہے کہ کب شکار ان کے جال سے نکل جائے۔ لیکن مذہبی دسیسہ کاریوں کا تو یہ عالم ہے کہ اس میں -- صید خود صیاد را گوید بگیر -- اس میں کیفیت یہ ہوتی ہے کہ اگر کوئی ان غلامی کی زنجیروں کو توڑنے کی کوشش کرے تو یہ غلام آگے بڑھ کر اس کا گلا گھونٹ دیں اور اگر کسی وقت کوئی زنجیر اتفاقاً ٹوٹ جائے تو یہ اس کے ٹوٹے ہوئے حلقوں کو اپنی مژگانِ عقیدت سے اٹھا کر چومیں اور بصد عقیدت اپنے گلے میں ڈال لیں۔

لوگوں کو جاہل رکھا جائے

مذہب نے اپنی تمام مہرہ بازیوں اور سحر انگیزیوں کے لئے صرف ایک بنیادی حربہ استعمال کیا اور وہ یہ کہ اس نے جو کچھ کرنا چاہا اسے خدا کی طرف منسوب کر دیا۔ اس کی ساری گرفت کا راز اسی میں ہے' اس کے لئے' اس نے پیش بندی یہ کی کہ لوگوں کو سوچنے سمجھنے سے دور رکھا جائے اور عقل و فکر کے قریب نہ آنے دیا جائے۔ کوئی جتنی زیادہ جہالت آمیز باتیں کرے اسے اتنا ہی زیادہ خدا کا مقرب سمجھا جائے۔ جو جس قدر زیادہ بعید از علم و عقل باتوں پر یقین ظاہر کرے' اسے اتنا ہی زیادہ پختہ ایمان والا قرار دیا جائے۔ ارباب مذہب کی ٹیکنیک ہی یہ ہوتی ہے کہ اپنے معتقدین کو جہالت کے گڑھے سے باہر نہ نکلنے دیا جائے۔ توہم پرستیوں پر ایمان کا مدار اور عجوبہ پسندیوں کو صداقت کا شعار قرار دیا جائے۔ ان کی طرف سے پیش کردہ عقائد پر ایمان لایا جائے تو بلا علم و دلیل

اور ان کے احکام کی تعمیل کی جائے تو یہ پوچھے بغیر کہ اس سے بالآخر مقصد کیا ہے؟ مذہب کی طرف سے جو کچھ پیش کیا جاتا ہے اس کے حق میں اس کے پاس ایک ہی دلیل اور ایک ہی سند ہوتی ہے اور وہ یہ کہ ایسا کچھ پیچھے سے ہوتا چلا آ رہا ہے۔ ہمارے اسلاف کا یہی مسلک تھا۔ اگر کوئی شخص مذہب کے پیش کردہ کسی عقیدہ یا مسلک پر اعتراض کرے تو عوام کو یہ کہہ کر بھڑکا دیا جائے کہ یہ شخص تمہارے اسلاف کی توہین کرتا ہے -- اور عوام کے جذبات کو بھڑکا کر جس قدر فتنہ و فساد برپا کیا جا سکتا ہے' مذہب کی تاریخِ خونچکاں کا ایک ایک ورق اس پر شاہد ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ دنیا میں جس قدر خونریزیاں اور فساد انگیزیاں مذہب کے مقدس نام پر ہوئی ہیں' ہلاکو اور چنگیز کے حصہ میں ان کا عشر عشیر بھی نہیں آیا ہوگا۔ یہی وہ حربہ ہے جس سے ارباب مذہب' اپنے مخالفین کو اس طرح ڈرا دھمکا کر رکھتے ہیں کہ وہ ان کے خلاف ایک لفظ تک کہنے کی جرات نہیں کر سکتے۔ مذہب کا سارا مدار عوام کے جذبات پر ہے۔ اس کے لئے وہ اس قسم کے مواقع پیدا اور ایسی تقریبات وضع کرتے رہتے ہیں جن سے عوام کے جذبات میں شدت آتی رہے' اور ان کی یہ آگ بجھنے نہ پائے۔

یہ ہے برادرانِ عزیز! اس مذہب کا اجمالی سا تعارف' جو پہلے دن سے آج تک انسانیت کی گردن میں پھانسی کا پھندا بن کر پڑا ہے اور جس نے نوع انسان کی نس نس کو اس طرح اپنی گرفت میں لے رکھا ہے کہ وہ اس کی مرضی کے خلاف' ذرا سی حرکت بھی نہیں کر سکتی۔

خدا کا دین

یہی ہے عزیزان من! اس کی وہ آہنی گرفت جس سے نوع انسان کو چھڑانے کے لئے' خدا کی طرف سے دین آتا رہا۔ اس دین خداوندی کے پیامبر' حضرات انبیاء کرام تھے جو مذہب کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے انسانوں کو آزادی کی دعوت دیتے تھے۔ وہ انسانوں کو اس چنگل سے آزاد ہونے کی دعوت دیتے تھے اور ارباب مذہب اپنی پوری قوتوں کو مجتمع کر کے' ان کے خلاف اٹھ کھڑے ہوتے تھے۔ اس محاذ میں ارباب اقتدار' ان کی پشت پناہ اور سرمایہ دار طبقہ ان کا حمایتی ہوتا تھا۔ اس لئے کہ خدا کا دین' ان کے حق میں بھی تو موت کا پیغام تھا۔ وہ دین کو مغلوب اور مذہب کو غالب رکھنے کی انتہائی کوشش

کرتے تھے' کیونکہ مذہب کے غلبہ میں خود ان کی ہستی کا راز مضمر تھا۔ دین اور مذہب کی یہی وہ کشمکش ہے جو پہلے دن سے آج تک دنیا کے ہر ملک' ہر قوم اور ہر زمانے میں مسلسل اور پیہم چلی آ رہی ہے' اور اسی کو علامہ اقبالؒ چراغ مصطفویؐ سے شرار بولہبی کی ستیزہ کاری سے تعبیر کرتے ہیں اور اسے انسانیت کے لئے بدترین لعنت اور خدا کا عذاب قرار دیتے ہیں۔ وہ جاوید نامہ میں لکھتے ہیں۔

چار مرگ اندر پئے ایں دیر میر
سود خوار و والی و ملا و پیر

یعنی مذہب کا شجرۃ الزقوم اور اس کی پروردہ شاخیں۔ ملوکیت اور سرمایہ داری۔

دین اور مذہب کی کشمکش

قرآن کریم' دین اور مذہب کی اس کشمکش کے متنوع گوشوں کو بار بار سامنے لا کر اس کی اہمیت کو اجاگر کرتا ہے۔ وہ اس کشمکش کی ابتدا حضرت نوحؑ کی اس انقلابی دعوت سے کرتا ہے جس کی رو سے انہوں نے' مذہب کی غیر خدائی قوتوں کی محکومیت میں جکڑی ہوئی قوم سے کہا کہ **یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰہَ مَا لَکُمْ مِّنْ اِلٰہٍ غَیْرُہٗ** (۲۳/۲۴)۔ اے میری قوم کے لوگو! تم' مذہب کے ان اجارہ داروں کی اطاعت اور محکومیت کی زنجیروں کو توڑ دو اور صرف ایک خدا کے قوانین کی اطاعت کرو۔ یاد رکھو! اس کے سوا کوئی ہستی ایسی نہیں جس کی اطاعت اختیار کی جائے۔ اس آزادی کی آواز کے خلاف' ارباب مذہب اور ان کے پشت پناہ اہل اقتدار۔۔ یعنی مترفین طبقہ کے لوگ جو دوسروں کی کمائی پر عیش کرتے تھے' یورش کرکے آگے بڑھے۔ انہوں نے عوام کو اکٹھا کیا اور ان سے کہا کہ **مَا سَمِعْنَا بِھٰذَا فِیْٓ اٰبَآئِنَا الْاَوَّلِیْنَ** (۲۳/۲۴)۔ جو کچھ یہ شخص کہتا ہے وہ تمہارے آباؤ اجداد کے مسلک کے خلاف ہے۔ یہ تمہیں' تمہارے بزرگوں کی روش سے برگشتہ کرنا چاہتا ہے۔ **اِنْ ھُوَ اِلَّا رَجُلٌۢ بِہٖ جِنَّۃٌ** (۲۳/۲۵)۔ یہ پاگل ہے۔ اس کی کوئی بات نہ سنو۔

اس کے بعد قرآن کریم نے سلسلہ انبیاء کرامؑ کی ایک ایک کڑی کا ذکر کیا ہے اور کہا ہے کہ ان میں سے ہر ایک کی دعوت یہی تھی کہ کسی انسان کو اس کا حق حاصل نہیں کہ

وہ دوسرے انسان کو اپنا محکوم اور اطاعت گزار بنائے۔ اطاعت صرف قوانین خداوندی کی کی جاسکتی ہے جنہیں وہ (بذریعہ وحی) اپنی کتاب میں دیتا ہے۔ وہ یہ دعوت دیتے رہے اور ان کے خلاف، ہر زمانے میں، اور ہر مقام پر مذہبی پیشوائیت اور ارباب ثروت واقتدار متحدہ محاذ بنا کر کھڑے ہوتے رہے۔ ان کے پاس عوام کے جذبات کو مشتعل کرنے کے لئے ایک ہی سلوگن تھا اور وہ یہ کہ **مَا هٰذَآ اِلَّا رَجُلٌ يُّرِيْدُ اَنْ يَّصُدَّكُمْ عَمَّا كَانَ يَعْبُدُ اٰبَآؤُكُمْ** ۔ (۳۴/۴۳)۔ یہ شخص چاہتا ہے کہ تمہیں، تمہارے اسلاف کے مذہب سے برگشتہ کردے۔ اس لئے اٹھو۔ اسے پکڑو۔ **حَرِّقُوْهُ وَانْصُرُوْٓا اٰلِهَتَكُمْ** (۲۱/۶۸)۔ اسے زندہ جلا دو اور اس طرح اپنے خداؤں کا بول بالا کرو۔

حضرت عیسیٰؑ کی انقلابی آواز

اناجیل سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کے زمانے میں مذہبی پیشوائیت کا اقتدار انتہا تک پہنچ چکا تھا۔ بنی اسرائیل کے احبار و رہبان نے ایک متوازی حکومت قائم کر رکھی تھی جس میں انہیں ہر قسم کے اختیارات حاصل تھے۔ صرف سزائے موت کے لئے انہیں رومی حکام کی منظوری لینی پڑتی تھی۔ حضرت عیسیٰؑ کی دعوت، مظلوم اور مقہور انسانیت کو ان کے اس پنجہء استبداد سے چھڑانے کے لئے تھی۔ یروشلم کا ہیکل، ان مذہبی پیشواؤں کا مرکز تھا۔ داعیٔ انقلابِ آسمانی، حضرت عیسیٰؑ اسی ہیکل کی سیڑھیوں پر کھڑے ہو جاتے اور انہیں للکار کر کہتے کہ

> اے ریاکار فقیہو اور فریسیو! تم پر افسوس ہے کہ آسمان کی بادشاہت لوگوں پر بند کرتے ہو کیونکہ نہ تو آپ داخل ہوتے ہو اور نہ ہی داخل ہونے والوں کو داخل ہونے دیتے ہو۔
>
> اے ریاکار فقیہو اور فریسیو! تم پر افسوس ہے کہ ایک مرید کرنے کے لئے خشکی اور تری کا دورہ کرتے ہو اور جب وہ مرید ہو چکتا ہے تو اسے اپنے سے دونا جہنم کا فرزند بنا دیتے ہو۔
>
> اے ریاکار فقیہو اور فریسیو! تم پر افسوس ہے کہ تم سفیدی پھری ہوئی قبروں کی مانند ہو جو اوپر سے تو خوبصورت دکھائی دیتی ہیں مگر اندر

مردوں کی ہڈیوں اور ہر قسم کی نجاست سے بھری ہوئی ہیں۔ اسی
طرح تم بھی ظاہر میں تو لوگوں کو راستباز دکھائی دیتے ہو مگر باطن
میں ریاکاری اور بے دینی سے بھرے ہوتے ہو۔
اے سانپو! اے افعی کے بچو! تم جہنم کی سزا سے کیوں کر بچو گے۔
(انجیل متی۔ باب نمبر ۲۳)

مخالفت کیوں؟

ظاہر ہے کہ مذہبی اجارہ دار، جو اپنی خدائی مسندیں بچھا کر، عوام کو لوٹتے اور ان پر حکومت کرتے تھے، اس انقلابی دعوت کو کس طرح برداشت کر سکتے تھے۔ وہ اسے اپنی مفاد پرستیوں کے لئے کس طرح موت کا پیغام سمجھتے تھے، اس کا اندازہ ان کی اس چیخ اور پکار سے لگ سکتا ہے جسے انجیل برنباس میں ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے۔ اس میں لکھا ہے کہ۔

> تب ان لوگوں نے کاہنوں کے سردار کے ساتھ مشورہ کیا اور کہا کہ اگر یہ آدمی بادشاہ ہو گیا تو ہم کیا کریں گے...... اس جیسے آدمی کی حکومت کے ماتحت ہمارا کیا انجام ہو گا۔ یقیناً ہم اور ہماری اولاد سب تباہ ہو جائیں گے۔ اس لئے کہ ہم اپنی خدمت سے نکال دیئے جائیں گے تو ہم مجبور ہوں گے کہ اپنی روٹی عطیہ کے طور پر مانگیں۔ حالانکہ اس وقت خدا کا شکر ہے کہ ہمارا بادشاہ اور حاکم دونوں ہماری شریعت کی پرواہ نہیں کرتے اور اس سبب سے ہم قدرت رکھتے ہیں کہ ہم جو چاہیں کر لیں۔ اگر ہم نے غلطی کی تو ہمارا اللہ رحیم ہے اور قربانی اور روزے کے ساتھ اس کا راضی کر لینا ممکن ہے۔ لیکن اگر یہ آدمی بادشاہ ہو گیا تو ہرگز راضی نہ کیا جا سکے گا۔ جب تک خدا کی عبادت (اطاعت) ویسے ہی ہوتے نہ دیکھے جیسی موسیٰ نے لکھی ہے۔ (انجیل برنباس ص ۱۴۲)۔

آپ نے غور فرمایا کہ اس آسمانی دعوت کی اس قدر شدید مخالفت کی وجہ کیا تھی؟ --- بس

وہی ایک وجہ! یعنی اگر خدا کا قانون رائج ہو گیا تو ہم اپنی ان مسندوں سے الگ کر دیئے جائیں گے اور چونکہ ہمیں کوئی کام کاج آتا نہیں جس سے ہم اپنی روٹی کما سکیں۔ اس لئے ہمیں اپنی روٹی عطیہ کے طور پر مانگنی پڑے گی۔ آپ نے دیکھا کہ جسے مذہبی سوال کہہ کر پیش کیا جاتا ہے۔ وہ درحقیقت یکسر معاشی مسئلہ ہوتا ہے۔

انجیل برنباس کے اس بیان سے آپ نے یہ بھی دیکھا ہوگا کہ مذہبی پیشوائیت ہمیشہ اس اندازِ حکومت کو پسند کرتی ہے جسے آج کل کی اصطلاح میں سیکولر کہتے ہیں۔ یعنی امورِ مملکت' حکومت کے پاس رہیں اور امورِ شریعت (پرسنل لاز) مذہبی پیشوائیت کی تحویل میں دے دیئے جائیں۔ نہ مذہبی پیشوائیت' حکومت کے معاملات میں دخل دے اور نہ ہی حکومت ان کے حیطہء اقتدار میں دخیل ہو۔

نبی اکرم ﷺ کی دعوت

اور آخر میں اس عظیم وجلیل داعیٔ انقلاب کو دیکھئے جس پر سلسلہء نبوت کا خاتمہ ہو گیا (صلی اللہ علیہ وسلم)۔ حضورؐ کے ظہور قدسی کا مقصد ہی یہ بتایا گیا ہے کہ **وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلَٰلَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ** (۷/۱۵۷)۔ وہ نوع انسان کو ان زنجیروں سے آزاد کر دے گا۔ جن میں وہ جکڑے چلی آ رہی ہے اور ان کے سر سے وہ بوجھ اتار دے گا جس کے نیچے وہ بری طرح دبی اور کچلی ہوئی ہے۔ چنانچہ اس مقصد کے لئے حضورؐ نے بھی وہی دعوت پیش کی جو حضرت نوحؑ سے حضرت عیسیٰؑ تک مسلسل ومتواتر پیش ہوتی چلی آ رہی تھی اور مترفین کے طبقہ کی طرف اس کا جواب بھی وہی ملا جو شروع سے ملتا چلا آ رہا تھا۔ یعنی **مَا سَمِعْنَا بِهَٰذَا فِي الْمِلَّةِ الْآخِرَةِ** جو بات یہ شخص کہتا ہے اسے ہم نے اسلاف کے مذہب میں کہیں نہیں سنا لہٰذا **إِنْ هَٰذَا إِلَّا اخْتِلَاقٌ** (۳۸/۷)۔ یہ غلط' جھوٹی اور بنائی ہوئی بات ہے۔ یعنی اس کے غلط ہونے کی دلیل یہ ہے کہ ہمارے اسلاف میں سے کسی نے یہ بات نہیں کہی -- اس کے بعد اس طبقہ کی طرف سے جو کچھ نبی اکرمؐ اور حضورؐ کے رفقاء کے ساتھ ہوا' اس پہ قرآن شاہد اور تاریخ کے اوراق گواہ ہیں۔

نبی کے بعد کیا ہوتا تھا؟

اس مقام پر یہ سوال سامنے آتا ہے کہ جب حضرات انبیاء کرام' خدا کا سچا دین انسانوں کو دے جاتے تھے تو اس کے بعد اس دین کے ساتھ کیا بیتتی تھی کہ بعد میں آنے والے نبی کے وقت' سابقہ نبی کے پیش کردہ دین کی آواز کہیں سے بھی سنائی نہیں دیتی تھی۔ اس نبی کی اولیں مخاطب (بالعموم) وہی قوم ہوتی تھی جو اپنے آپ کو سابقہ نبی کی تبع کہتی تھی۔ پھر یہ کیا تھا کہ آنے والا نبی اس قوم کے مسلک کو باطل قرار دیتا تھا اور یہ قوم' اس نبی کی دعوت کی اس قدر شدید مخالفت کرتی تھی۔

ہوتا یہ تھا کہ جب ایک نبی دین خداوندی دے کر چلا جاتا تو اس کے بعد' اس قوم میں ایسے مفاد پرست لوگ پیدا ہو جاتے جو اس دین کو اپنے خیالات کی آمیزش سے' مذہب میں تبدیل کر دیتے۔ لیکن لوگوں سے کبھی یہ نہ کہتے کہ یہ ہمارے خیالات ہیں۔ وہ اسی مذہب کو خدا کی سچی تعلیم کہہ کر پیش کرتے۔ **يَكْتُبُوْنَ الْكِتٰبَ بِاَيْدِيْهِمْ ثُمَّ يَقُوْلُوْنَ هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ** ۔ وہ خود شریعت وضع کرتے اور کہتے کہ یہ خدا کی طرف سے ہے۔ ایسا کیوں کرتے؟ **لِيَشْتَرُوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا** ۔ (۲/۷۹) تا کہ اس سے کچھ پیسے کما لئے جائیں۔ چنانچہ اس طرح خدا کا دین مذہب میں تبدیل ہو جاتا۔

مذہب اور دین کا تقابل

یہ عجیب بات ہے کہ جب دین' اس طرح مذہب میں تبدیل ہو جاتا ہے' تو یہ نہیں ہوتا کہ اس میں کچھ جزوی تبدیلیاں پیدا ہو جائیں یا مذہب' دین کی پست سطح کا نام ہو۔ یہ دونوں بالکل ایک دوسرے کی ضد بن جاتے ہیں اور یکسر ایک دوسرے کے مدمقابل کھڑے ہوتے ہیں۔ چنانچہ جن لوگوں نے مذہب اور دین کا تقابلی مطالعہ کیا ہے وہ جانتے ہیں کہ

مذہب' خدا اور بندے کے درمیان پرائیویٹ تعلق اور داخلی تجربہ کا نام ہے۔	دین اجتماعی نظام زندگی اور خارجی حقیقت ہے۔

مذہب میں ہر فرد اپنے اپنے طور پر مطمئن ہو جاتا ہے کہ اس کا خدا کے ساتھ رشتہ قائم ہو گیا ہے۔

دین میں معاشرہ کا انداز اور آئین بتا سکتے ہیں کہ وہ قوانین خداوندی کے مطابق متشکل ہوا ہے یا نہیں۔

مذہب میں ہر فرد کا منتہیٰ اپنی اپنی نجات ہوتا ہے۔

دین کا مقصود عالمگیر انسانیت کی فلاح و بہبود ہوتا ہے۔

مذہب میں کوئی خارجی معیار ایسا نہیں ہوتا جس سے پرکھا جا سکے کہ انسان کے اعمال صحیح نتائج پیدا کر رہے ہیں یا نہیں؟

دین میں اجتماعی زندگی کے نتائج ساتھ کے ساتھ بتاتے چلے جاتے ہیں کہ ملت صحیح راستے پر چل رہی ہے یا نہیں۔

مذہب علم کا دشمن اور عقل کا حریف ہے۔

دین، انسان کی علمی اور عقلی صلاحیتوں کو جلا دینے کا موجب۔

مذہب عقل کے دیئے گل کرتا ہے کہ اس کا چراغ جلے۔

دین عقل کے دیئے میں روغن ڈالتا ہے کہ زندگی کے راستے جگمگائیں۔

مذہب اپنے آپ کو اندھی عقیدت کی بناء پر منواتا ہے۔

دین اپنے ہر دعویٰ کو دلیل اور برہان کے ساتھ پیش کرتا ہے۔

مذہب، لوگوں کو روشنی سے تاریکیوں کی طرف لے جاتا ہے۔ يُخْرِجُونَهُم مِّنَ النُّورِ إِلَى الظُّلُمَاتِ (۲/۲۵۷)۔

دین انسان کو تاریکیوں سے نکال کر روشنی کی طرف لاتا ہے۔ يُخْرِجُهُم مِّنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ (۲/۲۵۷)۔

مذہب کی تلقین یہ ہوتی ہے کہ تم بھیڑ بکریوں کی طرح سر جھکائے، آنکھیں بند کئے پامال راستوں پر چلتے جاؤ۔

دین کا پیغام یہ ہوتا ہے کہ

تراش از تیشۂ خود جادۂ خویش
براہ دیگراں رفتن حرام است

مذہب، عوام کے جذبات کے پیچھے چلتا ہے اور ان کی تسکین کا سامان فراہم کئے چلا جاتا ہے۔

دین، انہیں حقائق کے پیچھے چلاتا ہے اور ان کے سطحی جذبات کی کچھ پرواہ نہیں کرتا۔

اس لئے مذہب، ہر زمانے میں نئے نئے بت تراشتا رہتا ہے تاکہ عوام کو بہلائے رکھے۔

دین تیشۂ براہیمی سے ہر قدیم اور جدید بت کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیتا ہے۔

مذہب کی تعلیم یہ ہے کہ	دین کا پیغام یہ ہے کہ
زمانہ باتو نہ سازد تو با زمانہ بساز	زمانہ باتو نسازد تو با زمانہ ستیز
مذہب انسان کے دل میں ہر وقت خوف پیدا کرتا رہتا ہے اور اپنی ہر بات ڈر سے منواتا ہے۔	دین، خوف کو شرک قرار دیتا ہے اور انسان کے دل کو جرات اور بے باکی کا مسکن بناتا ہے۔
مذہب انسان کو ہر بڑی چوکھٹ پر سجدہ ریز ہونا سکھاتا ہے۔	دین اسے دنیا کے ہر آستانے سے سرفرازانہ مستانہ وار گزر جانے کی تلقین کرتا ہے۔
مذہب کشمکش حیات سے فرار سکھاتا ہے۔	دین زندگی کے حقائق کا مردانہ وار مقابلہ کرتا ہے۔
مذہب کی تعلیم یہ ہے کہ	دین کی پکار یہ ہے کہ
بدریا در منافع بے شمار است دگر خواہی سلامت بر کنار است	بدریا غلط دبا موجش در آویز حیات جاوداں اندر ستیز است
مذہب، مادی کائنات کو قابل نفرت قرار دے کر اسے تیاگ دینے کی تلقین کرتا ہے۔	دین مادہ کی تسخیر سے، انسان کو حدود فراموش بلندیوں تک لے جاتا ہے۔
یعنی مذہب اس دنیا کو ترک کر دینے سے آخرت کی جنت دلاتا ہے۔	اور دین اس دنیا کو سنوارنے سے یہاں بھی جنت حاصل کرتا ہے اور وہاں بھی۔
مذہب تقدیر کے بہانے انسان کو یکسر بے عمل بنا دیتا ہے۔	دین، اسے تقدیر شکن قوت عطا کر کے، حرکت و عمل کا شعلہء جوالہ بنا دیتا ہے۔
مذہب، کمزوروں، ناتوانوں، مظلوموں کو یہ تعلیم دے کر مطمئن رکھتا ہے کہ یہاں سب کچھ خدا کی مرضی سے ہوتا ہے اور راضی برضا رہنا خدا کے مقرب بندوں کی نشانی ہے۔ اس سے مستبد، ظالم اور غاصب قوتیں بے لگام چھوڑ دی جاتی ہیں کہ وہ جو جی میں آئے کریں۔	دین، ظلم واستبداد، سلب ونہب کے خلاف اعلان بغاوت ہے۔ وہ کمزور انسانوں سے کہتا ہے کہ وہ قوانین خداوندی کے اتباع سے ایسا نظام قائم کریں جس میں ہر ظالم اور مستبد حق اور انصاف کے سامنے جھکنے پر مجبور ہو جائے۔

مذہب خاک کے آغوش میں تسبیح و مناجات کا نام عبادت رکھ کر انسانوں کو خود فریبی میں مبتلا رکھتا ہے۔

دین، اسے وسعت افلاک میں تکبیر مسلسل کا پیغام دیتا اور نظام خداوندی کو دنیا کے ہر نظام باطل پر غالب کرنے کو عبادت کی غایت بتاتا ہے۔

مذہب ہر خوشی میں غم کا پہلو دیکھتا ہے اور انسان میں ایسی مایوسانہ ذہنیت پیدا کر دیتا ہے جس میں اس کی کیفیت یہ ہو جاتی ہے کہ

آئے مجھے ہنسی بھی تو میں رو دیا کروں

دین ہر غم کو خوشی کا پیش خیمہ سمجھتا ہے اور انسان کی نگاہ میں ایسی تبدیلی پیدا کرتا ہے کہ وہ نامساعد حالات کی انتہائی تاریکیوں میں بھی روشنی کی کرن دیکھتا ہے اور بے ساختہ پکار اٹھتا ہے کہ

شب گریزاں ہوگی آخر جلوۂ خورشید سے

مذہب، کائنات کی ہر حسین شے پر منہ بسورنا اور تیوریاں چڑھانا سکھاتا ہے۔

دین اعلان کرتا ہے کہ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ (۷/۳۲) وہ کون ہے جو زیب و زینت کی ان چیزوں کو حرام قرار دے سکتا ہے جنہیں اللہ نے اپنے بندوں کے لئے پیدا کیا ہے۔

مذہب، موت کی سسکیاں ہیں۔

دین زندگی کے قہقہے۔

مذہب ایک خواب پریشاں ہے۔

دین، زندہ حقیقت۔

مذہب ہر جدت (نئی چیز) کو گناہ قرار دیتا ہے۔

دین کہتا ہے کہ کل یوم ھو فی شان۔ زندگی کے تقاضے ہر دور میں بدلتے رہتے ہیں اس لئے جدت طرازی عین تقاضائے حیات ہے۔

مذہب انسانی بستیوں کو قبرستانوں میں تبدیل کر دیتا ہے۔

دین قبرستانوں میں صور اسرافیل پھونک کر مردوں کو حیات تازہ عطا کر دیتا ہے۔

مذہب انسانیت کی موت ہے۔

دین ہے اصل حیات، موت ہے اس پر حرام

دین[1] دم جبرئیل۔ دین دل مصطفیٰ ؐ دین خدا کا رسول۔ دین خدا کا کلام!

[1] اصل اشعار میں ''دین'' کے بجائے ''عشق'' کا لفظ ہے۔

دین فقیہ حرم۔ دین امیر جنود دین ہےابن السبیل، اس کے ہزاروں مقام
دین کے مضراب سے نغمۂ تار حیات دین سے نور حیات۔ دین سے نار حیات

یہ ہے وہ دین جو مذہب میں تبدیل ہو کر انسانیت کا گلا گھونٹ دیتا ہے۔

چونکہ جھوٹ کے پاؤں نہیں ہوتے اس لئے وہ ہمیشہ اپنے آپ کو سچ کے نقاب میں پیش کرتا ہے۔ مذہب بھی یہی کرتا ہے۔ وہ دین کے الفاظ، اصطلاحات۔ رسوم و مناسک اسی شکل میں قائم رکھتا ہے لیکن ان کی روح نکال دیتا ہے۔ یہی دین کے وہ بے روح خدو خال ہیں جن سے مذہب عوام کو دھوکا دیتا ہے-- مذہب، درحقیقت دین کی ممی شدہ لاش کا نام ہے۔

اسلام کے ساتھ یہی کچھ ہوا

دین کے ساتھ برادران! جو کچھ اقوام سابقہ کے ہاتھوں ہوا تھا وہی کچھ اسلام کے ساتھ بھی ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے اس دین کو قرآن کریم میں مکمل کیا اور حضورؐ نے اس قرآن کو امت کو دے دیا۔ لیکن حضورؐ کی تشریف براری کے تھوڑا عرصہ بعد، مفاد پرست قوتوں نے ابھرنا شروع کر دیا۔ اس دفعہ پہلے ملوکیت آئی۔ اس کے ساتھ سرمایہ داری اور ان دونوں نے اپنے تحفظ کے لئے دین کو مذہب میں بدلنا شروع کر دیا۔ چنانچہ یہ دین بھی آہستہ آہستہ اسی طرح مذہب میں تبدیل ہو گیا جس طرح سابقہ انبیائے کرامؑ کا لایا ہوا دین تبدیل ہوا تھا۔ اس فرق کے ساتھ کہ اس دین کا ضابطہ۔۔ قرآن کریم۔۔ اپنی اصلی شکل میں محفوظ رہا۔ کیونکہ اس کی حفاظت کا ذمہ خود خدا نے لیا تھا۔ لیکن اس کتاب کا محفوظ رہنا، مذہب کی نگاہ میں کانٹے کی طرح کھٹکتا رہا۔ چنانچہ اس نے اسے قوم کی زندگی سے عملاً خارج کرنے اور اس طرح اسے ایک ضابطۂ حیات کے طور پر غیر موثر بنانے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی۔ رسول اللہؐ کے بعد، کسی نبی نے نہیں آنا تھا جو دین کو اس کی اصلی شکل میں پھر سے دنیا کے سامنے پیش کرتا۔ اس کی ضرورت بھی نہیں تھی کیونکہ دین، قرآن کریم کے اندر منضبط تھا اور قرآن حرفاً حرفاً محفوظ۔ اس لئے اب دین کو اس کی اصلی شکل میں پیش کرنے

کی صورت یہی تھی کہ قرآن کریم کو عملی زندگی کا ضابطہ بنانے کی کوشش کی جائے۔

تحریک پاکستان

یہی وہ کوشش تھی جو ہمارے زمانے میں تحریک پاکستان کی شکل میں سامنے آئی۔ جیسا کہ معلوم ہے۔ پاکستان کا تصور علامہ اقبالؒ کی بصیرت قرآنی کا رہین منت ہے۔ انہوں نے اس عطالبہ کی بنیاد ہی اس حقیقت پر رکھی تھی کہ قرآن کریم مسلمانوں کی عملی زندگی کا ضابطہ اسی صورت میں بن سکتا ہے جب ان کی اپنی آزاد مملکت ہو جس میں قرآنی اصول و احکام نافذ کیے جا سکیں۔ غیروں کی حکومت میں مذہب تو باقی رہ سکتا ہے' دین نہیں رہ سکتا۔ آپ احباب کو معلوم ہے کہ تحریک پاکستان کی سب سے زیادہ مخالفت ہمارے مذہب پرست طبقہ کی طرف سے ہوئی تھی۔ یہ درحقیقت دین اور مذہب کی وہی کشاکش تھی جو ازل سے تا امروز' باہمد گر ستیزہ کار چل رہی ہے۔ اس نکتہ کو اچھی طرح سمجھ لینے کی ضرورت ہے۔

تحریک پاکستان کی مخالفت

مذہب کی اولین کوشش یہ ہوتی ہے کہ مملکت کا پورا اقتدار مذہبی پیشوائیت کے ہاتھ میں رہے اور حکمران طبقہ ان کے فیصلوں کو نافذ کرنے کی مشینری کا کام دے۔ اس انداز کو تھیا کریسی کہتے ہیں۔ لیکن اگر ایسا ممکن نہ ہو تو مذہبی پیشوائیت کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ مملکت میں ایسا نظام قائم ہو جس میں امور سیاست' حکومت کی تفویض میں رہیں اور امور مذہب' مذہبی پیشوائیت کی تحویل میں۔ اسے سیکولر انداز حکومت کہا جاتا ہے۔ ہمارے قرن اول کے بعد' جب دین' مذہب میں تبدیل ہو گیا تو مسلمانوں کی حکومتوں کا انداز سیکولر رہا۔ اسی انداز کو انگریزوں نے ہندوستان میں قائم رکھا۔ ان کے عہد حکومت میں بھی پبلک لاز' حکومت کی تحویل میں تھے۔ اور پرسنل لاز ارباب مذہب کے سپرد۔ تحریک پاکستان سے مقصود یہ تھا کہ اس مملکت میں دین کی حکمرانی ہو۔ ظاہر ہے کہ اس میں (ملوکیت اور سرمایہ داری کی طرح) مذہبی پیشوائیت کی بھی کوئی گنجائش نہیں رہتی تھی۔ دوسری طرف ہندو نے یقین دلایا کہ انگریز کے چلے جانے کے بعد مملکت کا نظام بدستور سیکولر رہے گا۔ چونکہ یہ انداز' مذہبی پیشوائیت کو (Suit) کرتا تھا۔ اس لئے انہوں نے ہندوؤں سے

مفاہمت کرلی۔۔۔مذہب اپنے مفاد کے تحفظ کے لئے ہر ایک سے مفاہمت کرسکتا ہے۔
لیکن دین' لاشریک ہوتا ہے۔اس لئے وہ کسی سے مفاہمت نہیں کرسکتا۔

عقل عیار ہے سو بھیس بنا لیتی ہے
عشق بے چارہ نہ صوفی ہے نہ ملا نہ حکیم

اس لئے تحریک پاکستان جو دین کی بنیادوں پر اٹھی تھی' نہ ہندو سے مفاہمت کرسکتی تھی نہ مذہبی پیشوائیت سے۔ چنانچہ جب اس تحریک نے مذہبی پیشوائیت سے مفاہمت نہ کی تو اس نے اس کی مخالفت میں ایڑی چوٹی کا زور لگایا۔انہیں نیشنلسٹ یا (قوم پرست) علماء کا طبقہ کہا جاتا ہے۔ان کے علاوہ وہاں ایک مختصر سا گروہ ان لوگوں کا بھی تھا جو مذہب کے نام پر مملکت میں پورا اقتدار اپنے ہاتھ میں رکھنا چاہتا تھا۔یعنی یہ طبقہ تھیا کریسی قائم کرنے کا متمنی تھا۔ چونکہ دین کی نظروں میں تھیا کریسی بھی ایسی ہی باطل ہے جیسی سیکولرازم۔اس لئے تحریکِ پاکستان' اس طبقہ سے بھی مفاہمت نہیں کرسکتی تھی۔لہٰذا یہ طبقہ بھی۔۔متحدہ قومیت کے نظریہ کا مخالف ہونے کے باوجود۔۔تحریکِ پاکستان کا مخالف تھا۔ یہ طبقہ جماعت اسلامی کے نام سے معروف تھا۔

آپ نے غور فرمایا کہ تحریکِ پاکستان کی کشمکش' کس طرح درحقیقت دین اور مذہب کی وہی کشمکش تھی جو ازل سے تا امروز ستیزہ کار چلی آرہی ہے۔

پاکستان بننے کے بعد

مذہبی طبقہ کی اس قدر مخالفت کے باوجود' پاکستان وجود میں آگیا اور اس کے ساتھ ہی مخالفین کا یہ لشکر بھی ادھر امنڈ آیا۔اب وہی کشمکش پندرہ سولہ برس سے یہاں بھی جاری ہے۔اس طبقہ کی انتہائی کوشش یہ ہے کہ یہاں قرآن کی حکمرانی نہ ہونے پائے۔ اس کی بجائے یہ چاہتے ہیں کہ اولاً یہاں مذہبی تھیا کریسی قائم ہوجائے اور اگر یہ ممکن نہ ہو تو پھر اس انداز کی سیکولر حکومت قائم ہوجائے جس میں پبلک لاز حکومت کے ہاتھ میں رہیں اور پرسنل لاز' مذہبی پیشوائیت کی تحویل میں۔ چونکہ سیکولر انداز حکومت' مغربی ذہنیت رکھنے والے طبقہ کے نزدیک بھی زیادہ پسندیدہ ہے اس لئے اسے اس معاملہ میں مذہبی پیشوائیت کے ساتھ مفاہمت کرنے میں تامل نہیں ہوسکتا۔اس بناء پر یہاں اس انداز کی حکومت قائم

ہو جانے کے امکانات زیادہ روشن ہیں۔ وہ طبقہ بھی جو یہاں تھیا کریسی قائم کرنے کا متمنی ہے' سردست ان لوگوں کے ساتھ مفاہمت کرنے پر آمادہ ہے۔ اگرچہ ان کی آخری منزل تھیاکریسی ہی ہے۔

دستور پاکستان

ان حضرات کی یہ کوشش دستور سازی کے سلسلے میں برابر جاری ہے۔ چنانچہ پہلی دستور ساز اسمبلی کے پیش نظر یہ تجویز تھی کہ قانون سازی کے آخری اختیارات ایک علماء بورڈ کے سپرد کر دیئے جائیں۔ یہ تھیاکریسی کی شکل تھی۔ اس لئے یہ حضرات اس پر بہت خوش تھے۔ جب وہ اسمبلی ٹوٹ گئی تو ان کی کوشش سیکولر انداز کی طرف منتقل ہوگئی۔ چنانچہ ۱۹۵۶ء کا دستور' جس کے منظور ہونے پر ان حضرات کی طرف سے شادیانے بجائے گئے تھے۔ اسی انداز حکومت کا مظہر تھا۔ اس میں پرسنل لاز کو پبلک لاز سے الگ رکھا گیا تھا۔ اور مختلف فرقوں کے وجود کو قانوناً تسلیم کر لیا گیا تھا۔ ۱۹۶۲ء کا آئین اس لحاظ سے ۱۹۵۶ء کے آئین سے بہتر ہے کہ اس میں نہ پرسنل لاز اور پبلک لاز میں تفریق کی گئی ہے اور نہ ہی مختلف فرقوں کے وجود کو تسلیم۔ یہی وجہ ہے کہ ان حضرات کی طرف سے ۱۹۶۲ء کے آئین کی اس قدر مخالفت ہو رہی ہے اور مطالبہ یہ ہے کہ اس کی جگہ ۱۹۵۶ء کے دستور کا ''اسلامی حصہ'' اس دستور میں شامل کیا جائے۔

عائلی قوانین کی مخالفت

آپ نے برادران عزیز! کبھی اس پر بھی غور کیا ہی کہ یہ حضرات' ملک کے تمام قوانین کو چھوڑ کر' عائلی قوانین کی تنسیخ کے لئے اس قدر شور کیوں مچا رہے ہیں یہ ظاہر ہے کہ ملک میں اس وقت ایسے ایسے قوانین رائج ہیں جو صریحاً اسلام کے خلاف ہیں۔ مثلاً یہاں زناکاری قانوناً جائز ہے۔ عصمت فروشی کے بازار ہر شہر میں کھلے ہیں۔ علاوہ بریں' ایک بالغ لڑکے اور لڑکی کا باہمی رضامندی سے' بغیر نکاح' جنسی اختلاط قانوناً جرم نہیں۔ آپ نے کبھی سنا ہے کہ ان حضرات کی دینی غیرت نے کبھی ان قوانین کے خلاف بھی جوش کھایا ہو اور انہیں منسوخ کرنے کے لئے انہوں نے محاذ قائم کئے ہوں؟ یہ کیوں ہے کہ ان قوانین کے خلاف ان کی طرف سے کبھی جدوجہد نہیں ہوتی۔ لیکن عائلی قوانین کے خلاف

اس قدر قیامت برپا کی جارہی ہے؟ اس کی وجہ ظاہر ہے۔ عائلی قوانین پرسنل لاز تھے' جو مذہبی پیشوائیت کی تحویل میں چلے آرہے تھے۔ قرن اول کے بعد مسلمانوں کی تاریخ میں یہ پہلا موقع ہے کہ حکومت ان قوانین کو مذہبی پیشوائیت کے حیطہء اقتدار سے نکال کر حکومت کے دائرہ اختیار میں لائی ہے۔ مذہبی پیشوائیت اسے اپنی حدود حکومت میں دخل اندازی سمجھتی ہے' اس لئے وہ اسے کس طرح برداشت کرسکتی ہے؟ یہ وجہ ہے کہ یہ حضرات ان قوانین کے خلاف متحدہ محاذ بنا کر کھڑے ہو گئے ہیں' ورنہ ان قوانین میں کوئی بات ایسی نہیں جس سے اسلام خطرے میں پڑ جاتا ہو۔

آپ کی دعوت

اس تمام کشمکش میں برادران عزیز! دین خالص کی طرف دعوت دینے والی آواز آپ کی طرف سے اٹھ رہی ہے' اس لئے مذہبی پیشوائیت کی ساری مخالفت کا رخ آپ کی سمت ہے۔ کس قدر خوش بخت ہیں وہ لوگ جو دین اور مذہب کی اس کشمکش میں اس طرف کھڑے ہیں جدھر حضرات انبیائے کرامؑ اور قدوسیوں کی وہ جماعتیں کھڑی ہوا کرتی تھیں جنہیں خدا نے حزب اللہ کہہ کر پکارا ہے۔ یہ حضرات اپنی اس خوش بختی پر جس قدر بھی ناز کریں کم ہے۔

سامان وذرائع کی فراوانی

چونکہ مذہب' ہر نظریہ' ہر تصور' ہر نظام اور ہر ادارہ کے ساتھ مفاہمت کرسکتا ہے اور سرمایہ دار طبقہ اس کا پشت پناہ ہوتا ہے' اس لئے ان لوگوں کے پاس نہ روپے پیسے کی کمی ہوتی ہے نہ اسباب وذرائع کی محتاجی۔ روپے کے زور پر یہ لوگ پراپیگنڈہ کی مشینری پر قابو پالیتے ہیں اور جھوٹ کو سچ کرکے دکھاتے چلے جاتے ہیں۔ دین' ان قوتوں میں سے کسی کے ساتھ مفاہمت نہیں کرسکتا۔ اس لئے جو لوگ اس کی دعوت کو لے کر اٹھتے ہیں ان کے پاس ان میں سے کوئی چیز بھی نہیں ہوتی۔

فقر جنگاہ میں بے ساز و براق آتا ہے

اور مختلف حربے

پھر مذہب اپنے مقاصد کے حصول کے لئے ہر حربے کا استعمال جائز سمجھتا ہے۔

وہ جھوٹ بولنے میں کوئی باک نہیں محسوس کرتا۔ وہ سینٹ پال کے الفاظ میں بڑے فخر سے کہتا ہے کہ

> اگر میرے جھوٹ کے سبب سے' خدا کی سچائی اس کے جلال کے واسطے زیادہ ظاہر ہوئی تو پھر مجھ پر گنہگار کی طرح کیوں حکم دیا جاتا ہے۔ (رومیوں کے نام۔ ۳/۷)

وہ بڑے طمطراق سے فتویٰ دیتا ہے کہ

> راست بازی اور صداقت شعاری اسلام کے اہم ترین اصولوں میں سے ہے اور جھوٹ اس کی نگاہ میں ایک بدترین برائی ہے۔ لیکن عملی زندگی کی بعض ضرورتیں ایسی ہیں جن کی خاطر جھوٹ کی نہ صرف اجازت ہے بلکہ بعض حالات میں اس کے وجوب تک کا فتویٰ دیا گیا ہے۔ (ابوالاعلیٰ مودودی۔ ترجمان القرآن۔ مئی ۱۹۵۹ء)

وہ تعلیم یہ دیتا ہے کہ دنیا کو اپنے ساتھ ملانے کے لئے بڑے مقدس اور زریں اصول پیش کرو۔ لیکن جب اس طرح قوت حاصل ہو جائے تو پھر ان تمام اصولوں کو بالائے طاق رکھ کر عملاً وہ کچھ کرو جس میں اپنا مفاد سمجھو۔ (ترجمان القرآن مئی ۱۹۵۸ء) اپنے مقصد کے حصول کے لئے اگر رشوت تک بھی دینی پڑے تو اسے کارِ ثواب سمجھو۔ البتہ اس کا نام ''تالیف قالب'' رکھو۔[1]

دین کا غلبہ

مذہب ہمیشہ سے یہی کچھ کرتا چلا آیا ہے اور آج بھی یہی کچھ کر رہا ہے۔ لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ وہ اپنی فریب کاریوں سے دین کو شکست دے سکتا ہے۔ دین' خدا کے اٹل قوانین کا نام ہے۔ اور ان قوانین کا آخر الامر غالب آنا خدائی پروگرام ہے۔ خدا کے پروگرام کو دنیا کی کوئی قوت شکست نہیں دے سکتی۔ لیکن (جیسا کہ آپ احباب کو اچھی طرح معلوم ہے) حق آہستہ آہستہ باطل کے نظام پر غالب آتا ہے۔ آہستہ آہستہ اس لئے کہ خدا کا ایک ایک دن ہزار ہزار سال' بلکہ پچاس پچاس ہزار سال کا ہوتا ہے۔ جن

---

[1] حکیم عبدالرحیم اشرف صاحب نے اپنے اخبار المنبر۔ بابت ۱۹ ستمبر ۱۹۵۸ء میں لکھا تھا کہ مودودی صاحب نے انہیں ملتان جیل میں کہا کہ کراچی جاؤ اور طلوع اسلام کے دفتر کے کسی شخص کی ''تالیف قلب'' کر کے اس سے طلوع اسلام کے پتے حاصل کر لو۔

ارباب نظر کی نگاہیں ان انقلابات پر ہیں جو اس وقت دنیا کے ہر گوشے میں رونما ہو رہے ہیں' (اور جنہیں علامہ اقبالؒ نے ''قیامت موجود'' سے تعبیر کیا ہے) انہیں نظر آ رہا ہے کہ اب مشیت کے پروگرام کے مطابق باطل کے نظامہائے زندگی کے مٹنے کا وقت بڑی تیزی سے آ رہا ہے۔ دنیا سے ملوکیت کا دور دورہ ختم ہو رہا ہے۔ ہر نئے سورج کے ساتھ کوئی نہ کوئی تاج فضا میں اڑتا دکھائی دیتا ہے۔ نظام سرمایہ داری' جاگیرداری' زمینداری' حرف غلط کی طرح مٹ رہا ہے۔ اور ان کے ساتھ ہی مذہب کی سحر کاریاں بھی اجزاات کی طرح ہوا میں اڑتی چلی جا رہی ہیں۔ آپ ذرا غور کریں گے تو یہ حقیقت سامنے آ جائے گی کہ انسانی قلوب واذہان پر مذہب کی جو گرفت آج سے پچاس سال پہلے تھی' وہ بڑی حد تک ڈھیلی پڑ چکی ہے۔

مذہب کا انجام

ہندوستان سے سناتن دھرم بڑی تیزی سے ختم ہو رہا ہے۔ بدھ مت کا مامن و مسکن چین تھا۔ اسے وہاں سے دیس نکالا مل چکا ہے۔ تبت ان کے خداؤں (لاماؤں) کا پایہ تخت تھا۔ وہ وہاں سے بیک بینی دو گوش نکالے جا چکے ہیں اور اب اپنی جان کی حفاظت کے لئے در بدر مارے مارے پھر رہے ہیں۔ یہودیت' مذہب کو چھوڑ کر' سیاست میں بدل چکی ہے۔ عیسائیت کی قدیم عمارت کا وسطی ستون' پوپ ہے۔ اس نے ابھی پچھلے دنوں جس نئی پالیسی کا اعلان کیا ہے وہ اس حقیقت کی غماز ہے کہ اس کا اقتدار بھی خطرہ میں ہے۔ غرضیکہ مذہب کی دنیا میں آپ جہاں بھی دیکھیں گے آپ کو نظر آ جائے گا۔ کہ

مے خانہ کی بنیاد میں آیا ہے تزلزل
بیٹھے ہیں اسی فکر میں پیران خرابات

جب ساری دنیا میں مذہب کے ساتھ یہ کچھ ہو رہا ہے تو آپ سمجھتے ہیں کہ وہ مذہب (دین نہیں' مذہب) جو ہمارے ہاں رائج ہے' باقی رہ جائے گا؟ اس وقت سوال اس مذہب یا اس مذہب کا نہیں۔ سوال نفس مذہب کا ہے' خواہ اس کا نام کچھ ہی کیوں نہ رکھا لیا جائے۔ یہ کہنا کہ دوسروں کا مذہب باطل ہے اور ہمارا مذہب حق۔ اس لئے یہ فنا نہیں ہو سکتا' خود فریبی سے زیادہ کچھ نہیں۔ دنیا میں ہر مذہب کے علمبردار یہی کہتے ہیں۔ لیکن مذہب حق پر

ہوتا ہی نہیں۔ حق پر تو خدا کا دین ہوتا ہے۔ اب مذہب کا دور ختم ہو رہا ہے۔ اس لئے مذہبی مفاد پرستوں کی ہزار کوششوں اور مقدس آرزوؤں کے باوجود یہ باقی نہیں رہ سکتا۔ علامہ اقبالؒ نے عرصہ ہوا' لیگ آف نیشنز (آنجہانی) کے متعلق کہا تھا کہ۔

بے چاری کئی روز سے دم توڑ رہی ہے ‏ ‏ ڈر ہے خبر بد نہ مرے منہ سے نکل جائے
تقدیر تو مبرم نظر آتی ہے ولیکن ‏ ‏ پیران کلیسا کی دعا یہ ہے کہ ٹل جائے
ممکن ہے کہ یہ داشتۂ پیرک افرنگ ‏ ‏ ابلیس کے تعویذ سے کچھ روز سنبھل جائے

جو کچھ انہوں نے لیگ آف نیشنز کے متعلق کہا تھا' وہی کچھ اب انسانوں کے خود ساختہ مذہب کے متعلق نظر آتا ہے۔ اس وقت ارباب مذہب کے ہاں جذبات کی جو شدت نظر آتی ہے وہ ان کی حرکت مذبوحی ہے۔ اس سے یہ کچھ وقت کے لئے فضا میں انتشار اور معاشرہ میں خلفشار تو پیدا کر سکتے ہیں' اپنی مسندوں کو گرنے سے بچا نہیں سکتے۔ زمانے کے تقاضے انہیں ختم کر کے رہیں گے۔

لا و الا

لیکن برادران عزیز! جب باطل' زمانے کے تقاضوں کے ہاتھوں مٹتا ہے تو اس میں ایک نقص رہ جاتا ہے اور وہ یہ کہ یہ تقاضے صرف باطل کو مٹاتے ہیں' اس کی جگہ' حق کا نظام ساتھ کے ساتھ قائم نہیں ہوتا۔ ان دونوں کے درمیان ایک خلا رہ جاتا ہے جسے قانون خداوندی کی کائناتی رفتار کے مطابق پر کرنے کے لئے کافی وقت درکاری ہوتا ہے۔ علامہ اقبال کے الفاظ میں زمانے کے تقاضے ''اللہ کے نشتر'' ہوتے ہیں جو فصد کھول کر کثیف خون باہر نکال دیتے ہیں۔ لیکن اس کی جگہ صالح خون' ساتھ کے ساتھ پیدا نہیں کرتے۔ یہ کام ان لوگوں کے کرنے کا ہوتا ہے جو دین کا نظام قائم کرنے کا ولولہ اپنے دل میں رکھتے ہیں۔ وہ وقت' جب زمانے کے تقاضے باطل کے کسی نظام کو مٹا رہے ہوں' ان لوگوں کے لئے بڑا سازگار بھی ہوتا ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی بڑا صعوبت انگیز بھی۔ سازگار تو اس لئے کہ ان کا آدھا کام ۔۔۔ یعنی لا الہ کا مرحلہ۔۔ زمانے کے تقاضے یا اللہ کے نشتر پورا کر دیتے ہیں۔ انہیں اس ہموار شدہ زمین پر الا اللہ کی عمارت استوار کرنی ہوتی ہے۔ لیکن پر از صعوبات اس لئے کہ جس طرح ایک ''بھوت'' نکلتے وقت بڑی دہشت انگیز نشانی پیچھے چھوڑتا ہے' باطل کی قوتیں نزع کی حالت میں بڑی سخت لکد کوبی کرتی

ہیں ۔۔ بدر و حنین کے میدان باطل کی قوتوں کے اسی رقص بسمل کی یادگار ہیں۔ لیکن میں سمجھتا ہوں کہ اس آئینی دور میں، کم از کم پاکستان میں، ان رزمگاہوں کی ضرورت نہیں پڑے گی۔ اس میں شبہ نہیں کہ تھیا کریسی قائم کرنے والوں کے عزائم کچھ اور ہیں۔ چنانچہ انہوں نے بہت پہلے اپنے اس پروگرام کا اعلان کر دیا تھا۔ جب کہا تھا کہ

> اسلام جب اس طرح اپنے آدمیوں کو تیار کر لیتا ہے تب وہ ان سے کہتا ہے کہ ہاں! اب تم روئے زمین پر سب سے زیادہ صالح بندے ہو۔ لہٰذا آگے بڑھو اور لڑ کر خدا کے باغیوں کو حکومت سے بے دخل کر دو اور حکمرانی کے اختیارات اپنے ہاتھ میں لے لو۔
> (خطبات مودودی ص ۲۳۵)

طلوع اسلام کا پروگرام

طلوع اسلام کا پروگرام اس کے بالکل برعکس ہے۔ ہم، نہایت پرامن اور آئینی طریق سے قرآنی فکر کو عام کرتے جانا چاہتے ہیں۔ اس سے زیادہ ہمارے پیش نظر کوئی پروگرام نہیں ۔۔۔ حتیٰ کہ ہم ملک کی عام عملی سیاسیات میں بھی حصہ نہیں لیتے۔ اس میں شبہ نہیں کہ اس دور میں، کسی فکر کی نشر و اشاعت کے لئے جس قدر سامان و ذرائع کی ضرورت ہے، ہمارے پاس ان کی بے حد کمی ہے۔ لیکن وہ جو قرآن نے کہا ہے کہ تم دین کی آواز بلند کرنے کے لئے اٹھو تو خدا کی کائناتی قوتیں تمہارا ساتھ دیں گی۔ کچھ اس کا اثر ہے کہ سامان و ذرائع کی اس قدر کمی کے باوجود قرآن کی آواز جس تیزی سے پھیلتی جا رہی ہے وہ ہمارے وہم و گمان میں بھی نہ تھی۔ آپ ذرا دس بیس برس پہلے ادھر کا نقشہ سامنے لایئے اور پھر آج کی فضا پر غور کیجئے، آپ کا نظر آ جائے گا کہ یہ آواز کس طرح، خاموشی ہی خاموشی سے، ہر گوشے کو متاثر کئے جا رہی ہے۔ اور یہ حقیقت کس طرح ایک واقعہ بن کر سامنے آ رہی ہے کہ۔

حسن کے رازِ نہاں، شرح و بیاں تک پہنچے
آنکھ سے دل میں گئے، دل سے زباں تک پہنچے
دل نے آنکھوں سے کہی آنکھ نے دل سے کہہ دی
بات چل نکلی ہے اب دیکھیں کہاں تک پہنچے

یہ بات کے چل نکلنے کا نتیجہ ہی تو ہے کہ قرآن کی عظمت وصداقت کے معترف تو ایک طرف' اس آواز کے شدید ترین مخالف بھی' اپنے مواعظ اور تقاریر میں' قرآن کی آیات۔ دین کی اصطلاحات اور نظام خداوندی کے استعارات' استعمال کرنے پر مجبور ہو رہے ہیں۔

جناب شیخ' وضو کے لئے سہی' لیکن
کسی بہانے لب جو نکل ہی آتے ہیں

مغربی ممالک میں آواز

اس سے بھی بڑھ کر خوشی کا مقام یہ ہے کہ یہ آواز اب' پاکستان کی حدود سے آگے نکل کر' مغربی ممالک میں بھی پھیلتی جا رہی ہے۔ پچھلے سال میں نے آپ احباب سے ذکر کیا تھا کہ کس طرح ایک جرمن مصنف نے' اپنی پاکستانی سیاحت کی روئیداد کے سلسلہ میں یہ لکھا تھا کہ یہاں ایک ہی تحریک قابل ذکر ہے اور وہ طلوع اسلام کی تحریک ہے۔ اب حال ہی میں ایک کتاب ہالینڈ سے شائع ہوئی ہے کتاب کا نام ہے (MODERN MUSLIM QURAN INTERPRETATION) اور مصنف کا نام (J.M.S.BALJON) اس میں فاضل مصنف نے بتایا ہے کہ اس وقت دنیائے اسلام میں قرآن کی جدید تعبیرات کی کوششیں کہاں کہاں ہو رہی ہیں۔ اس سلسلہ میں اس نے پاکستان سے صرف دو مصنفوں کو منتخب کیا ہے۔ ایک علامہ مشرقی اور دوسرے آپ کا یہ رفیق۔۔ اس نے سلسلۂ معارف القرآن اور سلیم کے نام خطوط وغیرہ کا براہ راست (اردو سے) مطالعہ کیا ہے اور اپنی کتاب میں ان کے اقتباس پر اقتباس دیئے چلا جاتا ہے۔ وہ میری زندگی کے مختصر حالات بیان کرنے کے بعد لکھتا ہے کہ۔

> پرویز کی خوبی یہی نہیں کہ اس نے قرآنی حقائق کی ایسی عمدہ تشریح کی ہے یا انہیں اس قدر بلند پایہ ادیبانہ انداز سے پیش کیا ہے۔ وہ درحقیقت ایک عمدہ معلم ہے جسے فطرت نے اعلیٰ صلاحیتوں سے نوازا ہے اور ان نوجوانوں کے لئے جو مذہب سے برگشتہ ہو رہے ہیں اور ان کی زندگی کی کشتی کو لنگر کی ضرورت ہے۔ ایک مشفق دوست ہے۔ مختصر الفاظ میں یوں سمجھئے کہ وہ جس موضوع پر بھی گفتگو کرتا ہے اسکے متعلق نہایت محکم اور آزاد رائے رکھتا ہے اور نہایت

معقول نتیجہ پر پہنچتا ہے۔اس کے ساتھ ہی وہ عصر حاضر کے تقاضوں
پر بڑی گہری نگاہ رکھتا ہے۔اس سے یہ توقع کی جاسکتی ہے کہ جوں
جوں وقت گزرتا جائے گا اس کا اثر بڑھتا چلا جائے گا۔ (ص ۱۵)

مصر سے آواز

مصر کے علامہ سید احمد السیفی کے مضامین کے تراجم' طلوع اسلام کی گزشتہ اشاعتوں میں آپ کی نظروں سے گزرے ہوں گے۔ان مضامین کی کیفیت یہ ہے کہ اگر ان پر علامہ موصوف کا نام نہ لکھا ہو تو پہچانا نہ جا سکے کہ یہ مضامین خود طلوع اسلام کے ہیں یا ان کا لکھنے والا کوئی اور ہے۔علامہ سیفی کے علاوہ مصر میں اور علماء بھی ہیں جو اسی نہج سے قرآن پر غور و فکر کرتے ہیں۔ان ممالک' نیز یورپ اور امریکہ سے مطالبات موصول ہو رہے ہیں کہ طلوع اسلام کا لٹریچر انہیں بھیجا جائے۔چنانچہ اب میں مغربی ممالک کی اہمیت کے پیش نظر اپنی بیشتر توجہ انگریزی لٹریچر کی طرف دے رہا ہوں۔مجھے یقین ہے کہ جب قرآن اپنی اصلی شکل میں ان ممالک کے ارباب فکر و نظر کے سامنے آیا' تو وہ اس کا استقبال آگے بڑھ کر کریں گے۔وہ اپنے غلط تصورات اور باطل نظام زندگی سے سخت تنگ آئے ہوئے ہیں اور کسی جدید نظام کے لئے بے حد مضطرب و بے قرار نظر آتے ہیں۔مذہب ان کی تسکین نہیں کر سکتا۔۔بلکہ سچ پوچھئے تو وہ مذہب کے ہاتھوں تنگ آ کر ہی زندگی کی کسی نئی شاہراہ کی تلاش میں سرگرداں ہیں اور یہ شاہراہ قرآن کے علاوہ اور کہیں سے نہیں مل سکتی۔کیا عجب ہے کہ اگر ان کے سامنے خدا کا دین اپنی حقیقی شکل میں آ جائے تو جس آدم نو کے انتظار میں زمانے کی آنکھ بار بار اٹھ رہی ہے اس کی نمود وہیں سے ہو جائے۔میری تو کیفیت یہ ہے کہ

اسی امید پہ بیٹھا ہوں سر راہگذر
ہجر کی رات ہوئی ہے تو سحر بھی ہو گی

قرآن کا مطالبہ

برادران من! آپ نے قرآن کی آواز کو آگے بڑھانے کے لئے جو کچھ کیا ہے اس کا میرے دل پر خاص اثر ہے۔آپ نے سخت نامساعد حالات میں اپنی بے بضاعتی

اور کم مائیگی کے باوجود اس دیئے کو اپنے خون جگر سے روشن رکھا ہے۔ لیکن اس کے باوجود مجھے یہ کہنے کی اجازت دیجئے کہ قرآن کریم ہم سے جو توقعات وابستہ رکھتا ہے ہم انہیں کما حقہ پورا نہیں کر رہے۔ یہ تو اس کی کشادہ نگہی اور وسعت ظرف ہے جو وہ ہمیں اپنے دامن سے جھٹک نہیں دیتا۔ ورنہ حق بات یہی ہے کہ ہم اس کے معیار پر پورے نہیں اتر رہے۔ قرآن کو ہم سے بہت سے شکوے ہیں اور بالکل بجا شکوے۔

نہ جانے کتنے گلے اس میں مضطرب ہیں ندیم
وہ ایک دل جو کسی کا گلہ گزار نہیں!

عالمگیر انقلاب

اس کے وابستگان دامن کو تو جان اور مال دونوں اس کے ہاتھوں بیچ دینے پڑتے ہیں۔ ہم اس سودے کا بیعانہ تک بھی ادا نہیں کر سکے۔ اس لئے میں آپ احباب سے درخواست کروں گا کہ آپ اس باب میں مزید ہمت کیجئے۔ انسانی تاریخ میں یہ وقت بڑا نازک آیا ہے۔ جیسا کہ میں پہلے کہہ چکا ہوں، قدیم تصورات حیات، اور نظامہائے زندگی کا دور دورہ ختم ہو رہا ہے۔ ملوکیت۔ سرمایہ داری۔ مذہب، سب ایک ایک کر کے اٹھتے اور مٹتے جا رہے ہیں اقبالؒ کے الفاظ میں۔

زمانے کے انداز بدلے گئے
نیا راگ ہے ساز بدلے گئے
پرانی سیاست گری خوار ہے!
زمیں میر و سلطاں سے بیزار ہے
گیا دور سرمایہ داری گیا!
تماشا دکھا کر مداری گیا

زمانے میں انقلابات اس تیزی سے آ رہے ہیں، یا کروٹیں بدل رہے ہیں، لیکن جس امت نے ایسے مقام پر کاروانِ انسانیت کی صحیح راستے کی طرف راہ نمائی کرنی تھی اس کی اپنی حالت یہ ہے کہ۔

مسلماں ہے توحید میں گرمجوش مگر دل ابھی تک ہے زنار پوش
تمدن' تصوف' شریعت' کلام بتاں عجم کے پجاری تمام
حقیقت خرافات میں کھو گئی یہ امت روایات میں کھو گئی
بجھی عشق کی آگ اندھیر ہے
مسلماں نہیں راکھ کا ڈھیر ہے

اس وقت لا کی طوفانی قوتیں (کمیونزم وغیرہ) بڑی تیزی سے آگے بڑھ رہی ہیں اگر الا اللہ کا تصور اس وقت سامنے نہ لایا گیا تو انہیں' اس کے بعد' ان کے مقام سے ہٹانے' یا الا اللہ تک لانے میں نہ معلوم کتنا وقت لگ جائے اور انسانیت کو کتنا عرصہ اس جہنم میں گزارنا پڑے۔ جس میں وہ صدیوں سے پڑی جھلس رہی ہے اس لئے'

اے آسودہ نشینی لب ساحل برخیز
کہ ترا کار بگرداب و نہنگ است ہنوز

حدی را تیز ترمی خواں

قرآن کی تو کیفیت یہ ہے کہ جب اس کی عظمت انسان کے دل کی گہرائیوں میں اتر جائے تو یہ اس میں عجیب و غریب انقلاب پیدا کر دیتا ہے۔ اس کی کیفیت یہ ہو جاتی ہے کہ حالات کی ناسازگاری اور زمانے کی مخالفت اس کے جذبہء سرشاری کو تیز تر کر دیتی ہے۔ **اَلَّذِيْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ اِيْمَانًا وَّقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَ نِعْمَ الْوَكِيْلُ** (۳/۱۷۲)۔ یہ وہ صاحبان عزم و یقین ہیں کہ جب ان سے لوگ کہتے ہیں کہ دشمن نے تمہارے خلاف لشکر جرار جمع کر رکھا ہے اس لئے تمہیں اس سے ڈرنا چاہئے' تو اس سے ان کے ایمان میں اور بھی اضافہ ہو جاتا ہے اور دل کے پورے اطمینان سے کہتے ہیں کہ دشمن کا لشکر بڑا ہے تو ہوا کرے' ہمارے ساتھ اللہ کی تائید و نصرت ہے اور یہ وہ قوت ہے جس پر پورا پورا بھروسہ کیا جا سکتا ہے۔ قرآن سے شیفتگی انسان کو کسی مقام پر بھی دل گرفتہ نہیں ہونے دیتی۔ وہاں تو حالت یہ ہو جاتی ہے کہ

مجھ کو اداس کر گیا جب کہ سلوک انجمن
اٹھ کے نگاہ دلبری' ہاتھ میرا دبا گئی

اس لئے برادران گرامی قدر! وقت کا تقاضا یہ ہے کہ آپ اپنی کوششوں کو تیز تر کر دیجئے اور قرآنی فکر کی نشر و اشاعت کے لئے پہلے سے بھی زیادہ جوش و انہماک کے ساتھ مصروف عمل ہو جائے۔

میری بیماری

میں آپ سے جو کچھ کہہ رہا ہوں اس میں عزیزان من! ایک اور جذبہ بھی کارفرما ہے اور اگرچہ وہ کچھ ذاتی سا ہے لیکن میں اسے اپنے آپ سے خیانت سمجھتا ہوں کہ وہ دل میں بار بار ابھرے لیکن اسے زبان تک نہ لاؤں۔ یوں تو میری صحت کبھی بھی اطمینان بخش نہیں رہی لیکن گزشتہ جنوری' ایک رات' ایک غیر متوقع بیماری کا ایسا شدید اور ناگہانی حملہ ہوا کہ مجھے محسوس ہو رہا تھا کہ اگر تکلیف کی شدت اسی رفتار سے بڑھتی رہی تو میں شائد صبح تک زندہ نہیں رہ سکوں گا۔ یہ زندگی کا ایک نیا تجربہ تھا جس میں موت محسوس طور پر سامنے نظر آ رہی تھی۔ اس وقت میں نے دیکھا کہ قرآنی پیغام کی نشر و اشاعت کے سلسلہ میں میرے پیش نظر پروگرام کا جو حصہ ابھی ناتمام ہے' میری للچائی ہوئی' بے بس نظریں' اسے بڑی حسرت سے دیکھ رہی تھیں۔ خدا کا شکر ہے کہ وہ طوفانی حملہ بخریت گزر گیا لیکن اس کے بعد یہ احساس بڑی شدت اختیار کر گیا ہے کہ جو کام میرے سامنے ہے وہ کسی نہ کسی طرح میری زندگی میں تکمیل تک پہنچ جائے۔

میری آرزو

اس میں شبہ نہیں کہ یہ آرزو بڑی حسین اور یہ تمنا بڑی معصوم ہے۔ لیکن فطرت کے اٹل قوانین کسی حسین آرزو اور مقدس تمنا کی رعایت نہیں کیا کرتے۔ ہم تو کس حساب شمار میں ہیں' اس باب میں تو اس ذات اقدس و اعظم (صلی اللہ علیہ وسلم) تک سے بھی جس کی نظیر دنیا نے پھر نہیں دیکھی' یہ کہہ دیا گیا کہ۔ **وَاِنْ مَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِىْ نَعِدُهُمْ اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ وَ عَلَيْنَا الْحِسَابُ** **(۱۳/۴۰)** جن انقلابی تبدیلیوں کے متعلق ان لوگوں سے کہا جاتا ہے' ہو سکتا ہے کہ ان

میں بعض تیری زندگی میں سامنے آ جائیں' اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ تیری وفات اس سے پہلے ہی ہو جائے۔ تمہیں اس کی فکر نہیں ہونی چاہئے کہ وہ کب رونما ہوتی ہیں۔ تمہارا کام یہ ہے کہ تم اس پیغام کو ان لوگوں تک پہنچاتے جاؤ۔ یہ ہمارا کام ہے کہ ہم دیکھیں کہ اس کے نتائج محسوس شکل میں کب سامنے آتے ہیں۔ لہذا یہ تو نہ میں کہہ سکتا ہوں نہ کوئی اور' کہ جو پروگرام میرے پیش نظر ہے اس کی تکمیل میری زندگی میں ہو جاتی ہے یا نہیں۔ لیکن جی ضرور یہ چاہتا ہی کہ کسی حد تک ہی سہی' اس کی تکمیل میرے سامنے ہو جائے۔ آپ احباب نے' اس وقت تک میرے پروگرام کی تکمیل کے لئے' جس مخلصانہ رفاقت کا ثبوت دیا ہے اس کا گہرا نقش میرے دل پر ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ جیسے رفقائے سفر ہر رہرو حیات کے نصیب کرے۔ میرا پروگرام یہ ہے کہ اس پیغام کو مغربی ممالک تک پہنچانے کے بعد ایک ایسی درسگاہ قائم کی جائے جس میں نونہالان ملت کی تعلیم و تربیت خالص قرآنی خطوط پر ہو اور وہ اس قابل ہو سکیں کہ اس چراغ کو بدستور روشن رکھیں اور میں مرتے وقت ان سے کہہ سکوں کہ

بگیر ایں ہمہ سرمایۂ بہار از من
کہ گل بدستِ تو از شاخ تازہ تر ماند

کس قدر پرسکون ہوگی ایسی موت جس پر ہر دیکھنے والا بے ساختہ پکار اٹھے کہ

قسمت نگر کہ کشتۂ شمشیر عشق یافت
مرگے کہ زندگاں بدعا آرزو کنند

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

آخر میں عزیزان گرامی قدر! میں ایک ایسے نکتہ کی وضاحت ضروری سمجھتا ہوں جسے اچھی طرح نہ سمجھنے سے کئی ذہنوں میں پریشانی' اور بعض دلوں میں افسردگی تک پیدا ہو جاتی ہے۔ مجھ سے اکثر کہا جاتا ہے کہ ہم اتنے عرصے سے' اس آواز کو بلند کر رہے ہیں لیکن لوگ اس طرف بہت کم متوجہ ہوتے ہیں۔ اس کے مقابلہ میں دوسری جماعتوں کو دیکھئے تو ان کے پیچھے لاکھوں افراد نظر آتے ہیں۔

گئوسالہ سامری

یہ ٹھیک ہے۔ ہماری برسوں کی تگ و تاز سے، گنتی کے افراد ہمارے شریک سفر ہوئے ہیں اور مذہب پرست طبقہ کی ایک آواز پر لاکھوں افراد ان کے پیچھے لگ جاتے ہیں۔ اس کی بین وجہ یہ ہے کہ وہ لوگ پانی کے بہاؤ کے ساتھ تیرتے ہیں اور آپ اس کے چڑھاؤ کی طرف جاتے ہیں۔ وہ لوگ عوام کو انہی باتوں کی دعوت دیتے ہیں جنہیں وہ پہلے سے مان رہے ہیں، اور آپ انہیں ان راستوں پر چلنے سے روکتے ہیں، جن پر وہ صدیوں سے آنکھیں بند کر کے چلے آ رہے ہیں۔ نتیجہ اس کا ظاہر ہے۔ آپ ذرا غور کیجئے کہ بنی اسرائیل کی طرف خدا کے دو جلیل القدر نبی۔۔۔ حضرت موسیٰ اور حضرت ہارونؑ مبعوث ہوتے ہیں۔ وہ برسوں تک ان کی تعلیم و تربیت میں اپنا خون پسینہ ایک کر دیتے ہیں لیکن اس کا نتیجہ صرف اس قدر نکلتا ہے کہ **فَمَآ اٰمَنَ لِمُوْسٰٓى اِلَّا ذُرِّيَّةٌ مِّنْ قَوْمِهٖ** (۱۰/۸۳) ان پر قوم کے چند نوجوانوں کے سوا کوئی ایمان نہ لایا۔ اس کے برعکس سامری انہیں ایک بت تراش کر دیتا ہے اور ساری قوم اس کے پیچھے لگ جاتی ہے۔ اس میں سامری کی کارگری اس کے سوا کچھ نہ تھی کہ اس نے قوم کی نفسیات کا مطالعہ کیا اور گئوسالہ پرستی کے جو جذبات ان کے دل کی گہرائیوں میں پہلے سے موجود تھے، ان کی تسکین کا سامان فراہم کر دیا۔ یہی ہر زمانے کا سامری کرتا ہے۔ وہ قوم کی خوئے بت پرستی سے فائدہ اٹھاتا ہے اور ان کے ذوق عبودیت کی تسکین کے لئے ایک نیا بت تراش کر دے دیتا ہے اور خود اس بت کدہ کا پجاری (مہنت) بن جاتا ہے وہ اس بت تراشی میں بھی ایک پائی اپنی جیب سے خرچ نہیں کرتا۔ وہ قوم ہی کے زیوروں کو ڈھال کر انہیں ایک بت بنا کر دے دیتا ہے۔ جب تک قوم میں خوئے بت پرستی موجود ہے، کسی بت ساز کو بھی پجاریوں کی کمی کی شکایت نہیں ہو سکتی۔ ہر بت کدہ آباد ہوگا، صرف اس فرق کے ساتھ کہ جس بت خانے کا مہنت زیادہ شاطر اور چالاک ہوگا اس میں چڑھاوا زیادہ چڑھے گا۔ آپ دیکھتے ہیں کہ آپ کے ہاں پہلے سے اس قدر خانقاہوں، درگاہوں اور مقبروں کی موجودگی کے باوجود ہر نئی قبر پر کس دھوم دھام سے میلہ لگتا ہے۔ اس میلے کی رونق کا راز، اس قبر کی جاذبیت میں نہیں، بلکہ قوم کی خوئے بت پرستی میں مضمر ہوتا ہے۔ اس کے برعکس جو شخص قوم

کے دل سے بت پرستی کے جذبات نکالنا چاہتا ہے اس کی منزل بڑی کٹھن اور اس کے راستے بڑے پرخار ہوتے ہیں۔ دین اور مذہب کی یہی وہ کشمکش ہے جس میں صاحب ضرب کلیم کا ساتھ تو قوم کے چند افراد دیتے ہیں اور سامری کے پیچھے ساری قوم لگ جاتی ہے۔ یہی چار ہزار سال پیشتر ہوتا تھا اور یہی آج ہو رہا ہے۔ اس لئے برادران من! آپ نہ تو اپنی دعوت کے نتائج کی سست روی سے گھبرایئے اور نہ ہی سامریان عصر حاضر کی کامیابی کو ان کے مسلک کی صداقت کی علامت سمجھئے۔ آپ صرف یہ دیکھئے کہ آپ کی دعوت' اس پیغام کی نقیب ہے یا نہیں جسے خدا کی کتاب پیش کرتی ہے۔ اسے قدم قدم پر جانچتے رہئے اور اس کی خاص احتیاط برتئے کہ اس دعوت کی کامیابی کے لئے کوئی طریق ایسا اختیار نہ کیا جائے جو ضابطۂ خداوندی کے نزدیک پسندیدہ نہ ہو۔ یاد رکھئے! اس تحریک کی کامیابی کے لئے اگر آپ کا ایک قدم بھی غلط اٹھ گیا تو وہی آپ کی شکست اور ناکامی کا مقام ہوگا اور اسے بھی اچھی طرح سمجھ لیجئے کہ اس راستے میں سب سے زیادہ گراں بہا متاع سفر اور محکم ترین سامان حفاظت' آپ کی سیرت کی بلندی اور کیریکٹر کی پختگی ہے۔ آپ کی کامیابی کا سب سے بڑا راز' آپ کی اپنی ذات کے ساتھ دیانت اور دوسروں کے ساتھ حسن معاملہ میں پوشیدہ ہے۔ اگر آپ نے اپنے اندر یہ جوہر پیدا کر لئے تو پھر آپ کو دنیا کی کوئی طاقت شکست نہیں دے سکتی کہ

جہاد زندگی میں ہیں یہی مردوں کی شمشیریں

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے۔

ربنا تقبل منا انك انت السميع العليم

پرویز

★★★★★★★★★★★